جمیلہ ہاشمی کے ناولوں میں تانیثیت: ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد حامد، استاد شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج زروبی، صوابی
ڈاکٹر سلمیٰ اسلم، استاد شعبۂ اردو، ہوم اکنامکس کالج، جامعہ پشاور

ABSTRACT:

Jamila Hashmi has been a prominent novelist of Urdu. Her novels have a strong feministic impact, particularly her novels *Talash e Bahahara'n*, *Aatash e Rafta* and *Chehra Bachehra Roo ba Roo* are overwhelmed by this literary approach. She has portrayed several impressive feminist characters like Kanwal Kumari, Kartar Kor and Quratul Ain Tahira that have tremendously conveyed the feministic view. Jamila Hashmi has clearly and cleverly conveyed her own version of feminism which is dominated by the oriental values. Thus she has successfully transformed the western feminism into Oriental feminism which is plausible and acceptable for the Oriental society. The article under study presents a feministic analysis of Jamila Hashmi's novels. The findings and conclusion have been drawn after a systematic and thorough analysis of her all eight novels.

Key Words: Feminism, Oriental Feminism, Society, Rights of Women, Novel, Women Status, Women Education.

نسلِ انسانی کا کارواں مرد و عورت کی تخلیق سے چلا۔ یہ سفر آگے بڑھ کر مرد و عورت کے رشتے کے مختلف روپ بناتا ہوا تہذیب میں ڈھلتا گیا۔ تاریخ میں کہیں پدر سری نظام کا غلبہ نظر آتا ہے تو کہیں مدر سری نظام کا۔ لیکن یہ حقیقت دائمی ہے کہ غلبہ جس کا بھی ہو وجود مرد و عورت دونوں کا لابُدی ہے۔ اس کے بغیر نہ وجود رہ سکتا ہے اور نہ بقا کا سامان ہو سکتا ہے۔ معلوم تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو انسانی معاشرت میں مرد کا غلبہ زیادہ رہا ہے۔ مرد اساس معاشرے میں عورت کی اہمیت اور مرتبہ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتا رہا ہے۔ اسے کبھی ناقص العقل سمجھا گیا تو کبھی کمزور و خدمت گزار۔ کہیں اسے پاؤں کی جوتی قرار دیا گیا تو کہیں اسے دائمی گناہ گار۔ تاریخ عالم میں کہیں کہیں اور کبھی کبھی اسے حاکم اور فرماں روا کی حیثیت بھی حاصل رہی، لیکن یہ دور اور معاشرت انسانی تاریخ میں بہت کم کم نظر آتی ہے۔ چونکہ تاریخ کا زیادہ دورانیہ مرد غالب رہا،

اس لیے جب دنیا میں عورت کے حقوق، آزادی، عزت و وقار اور بہتر حیثیت کے لیے شعوری طور پر آواز اٹھائی گئی تو اسے تانیثیت(Feminism)کا نام دیا گیا۔پروفیسر صغیر افراہیم اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> روزِ اول سے معاشرے کی تشکیل میں عورت، مرد کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلتی رہی ہے لیکن نہ جانے کیوں مرد کی انا نے اسے برابری کا درجہ نہ دیا۔ کائنات کے ساتھ اپنے رفیقِ سفر پر بھی بالادستی اور برتری قائم رکھنے کی کوشش کی اور سائے کی طرح ساتھ رہنے والی عورت کو لاشعوری طور پر احساسِ کمتری میں مبتلا کیا۔اس عمل نے تفریق کی دیوار کو اونچا کیا۔ ستم یہ ہوا کہ فریقِ ثانی نے سخت قدم اٹھانے کے بجائے صبر و تحمل اور اطاعت و فرماں برداری کا ثبوت پیش کیا۔اس امید کے سہارے کہ آنے والے کل میں حالات بدل جائیں گے۔ حالات بدلے مگر مزاج، نیت اور خصلت نہیں۔ نتیجتاً ساتھ ساتھ چلنے والی شریکِ سفر ذہنی طور پر دور ہوتی چلی گئی۔اضطراری کیفیت نے رفتہ رفتہ اسے احساسِ کمتری میں مبتلا کیا جس کے سبب بچیوں کی تربیت میں جنسی تفریق کے مراحل بالواسطہ طور پر مرداساس ذہنیت کا اظہاریہ بن گئے۔ صدیوں بعد جب اس جانب توجہ دلائی گئی تو ردِ عمل نے باغیانہ شکل اختیار کر لی جسے ادبی پیراہن میں تانیثیت کے نام سے جانا گیا۔(۱)

دورِ جدید کی دیگر نمایاں تحریکوں کی طرح عورت کی بیداری کی تحریک بھی یورپ سے اٹھی۔ یہی تحریک تحریر کی صورت میں نمایاں ہونے سے پہلے معاشرت میں رونما ہونے لگی تھی۔اسی ذہنی آزادی نے جب الفاظ و عمل کا روپ اختیار کیا تو تحریک کی صورت میں دیگر انسانوں کے ذہنوں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہونے لگے۔ آزادیٔ نسواں کی اس تحریک کی سرخیل وال سٹون کرافٹ ہے جس نے ۱۷۹۲ء میں A Vindication of The Rights of Women نامی کتاب تصنیف کی۔ یہ تصنیف ایڈمنڈ برک کی کتاب A Vindication of The Men Rights of(۱۷۹۰ء) کے جواب میں سامنے آئی تھی۔ یہ تصنیف آزادیٔ نسواں کے سفر کا پہلا سنگِ میل ہے۔اس تحریک کی حمایت میں جان سٹوارٹ مل نے مقالہ On The Subjugation of Women لکھا جس سے تحریک کی بنیادیں مضبوطی کے ساتھ استوار ہوئیں۔(۲)

تانیثیت کا بنیادی مقصد عورت کو سماج میں مرد کے مساوی حقوق دلانا ہے۔ تانیثیت کے حامی عورت کی ذیلی یا ثانوی حیثیت سے بغاوت کرتے ہیں اور عورت کو بھی مرد کی طرح سماجی، معاشی اور سیاسی سطح پر آزادی دینے کا نعرہ لگاتے ہیں۔ 'تانیثیت مرد کی جبریت کا انکار کرتی ہے، مرد کی مرکزیت کو چیلنج کرتے ہوئے برابری کا دعوی کرتی ہے'۔ **(۳)**

پروفیسر سیما صغیر تانیثیت کی ابتدا اور ارتقا پر بات کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> دنیائے ادب میں برطانیہ کی ادیبہ میری وول سٹون کرافٹ نے سب سے پہلے حقوقِ نسواں کے لیے قلم اٹھایا اور ۱۷۸۷ء میں "Thoughts on The Education of Daughters" کے عنوان سے تانیثیت پر پہلا سبق لکھا جس نے دانشوروں کو چونکا دیا۔ ۱۷۹۲ء میں اس نے "A Vindication of The Rights of Women" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو تحریکِ نسواں کی پہلی تخلیق سمجھی جاتی ہے۔ (۴)

یورپ میں ۱۷۹۰ء میں شروع ہوئی یہ تحریک آگے بڑھتی رہی تو 'اس آواز کو عالمِ انسانیت نے پوری بلندی کے ساتھ اس وقت محسوس کیا جب انگلینڈ میں "Women's Sufferage" (۱۸۶۶ء) کے نام سے باقاعدہ جدوجہد شروع ہوئی۔۔۔ تقریباً تیس برس کی طویل جدوجہد کے بعد ۱۹۱۸ء میں تیس سالہ خواتین کو رائے دہی کا حق دیا گیا اور ۱۹۲۸ء میں ایک بل کے ذریعے رائے دہندہ کی عمر ۲۱ اور پھر ۱۹۶۹ء میں کم کر کے ۱۸ سال کر دی گئی۔ اس طرح ملک کے تمام شہری اس حق سے مستفیض ہو گئے"۔ (۵)

وال سٹون کرافٹ کی تصنیف سے تانیثیت ادب میں سرایت کر گئی اور اس کا ایک مؤثر اور نا مختتم سلسلہ شروع ہوا جس سے دنیا بھر میں خواتین متاثر ہوئیں۔۔ 'ادب میں تانیثیت کا موقف اس عورت کو Deconstruct کرنا ہے جو اپنی ذات ہی سے بے خبر نہیں تھی بلکہ اس سماجی تہذیبی منظر نامے سے بھی نابلد تھی جس کے جبر نے اسے مجہول حقیقت میں بدل کر رکھ دیا تھا'۔ (۶) ورجینیا وولف کی تحریر "A Room of One's Own" اور سیمون دی بوار کی کتاب "The Second Sex" توقیرِ نسواں کے اس سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں۔ ان تحریروں نے ادب میں عورت کو سماج میں باعزت مقام دلا کر اسے سر اٹھا کے جینے کے راستے پر لگا دیا۔ اس کے بعد عورت کی اہمیت تسلیم ہوتی گئی اور اس کے حقوق کی طرف توجہ دی جانے لگی۔

عورت کے حقوق اور عزت و وقار کی تحریک دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی پھیلی۔ ہندوستان چونکہ برطانوی عملداری کا حصہ تھا اس لیے یہاں پر بھی تانیثیت کے اثرات جلد پھیلنے لگے۔ یہاں کی انگریزی تعلیم یافتہ خواتین نے اس تحریک کے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ ان خواتین نے تنظیمیں قائم کیں اور منظم انداز میں خواتین کے حقوق کے لیے آواز اٹھانی شروع کی۔

> ۱۹۱۵ سے ۱۹۴۷ کے دوران "آل انڈیا ویمنس کانفرنس"(AIWC)(جو ۱۹۲۷ میں پونا میں قائم ہوئی) اور "نیشنل فیڈریشن آف انڈین ویمن" (NFIW)جیسی تحریکیں چلیں۔ 195۔۔۔۱۹۵۴ء میں کمیونسٹ پارٹی نے نیشنل فیڈریشن آف انڈین ویمن قائم کی۔(۷)

ہندوستان میں عورت کے حالات میں نمایاں بدلاؤ اس وقت واضح ہونا شروع ہوا جب ۱۸۲۹ء میں ستی کی رسم ممنوع قرار دی گئی۔ اسی طرح یہاں ۱۹۲۹ء میں بچپن کی شادی پر پابندی لگائی گئی۔ ۱۹۳۹ء میں مسلمان عورتوں کے لیے خلع کا حق بھی تسلیم کر لیا گیا۔ ان سماجی تبدیلیوں کے علاوہ عورتوں کی سیاسی حالت میں بھی تبدیلی واقع ہونی شروع ہو گئی تھی جب ۱۹۱۹ء، میں عورتوں کو ووٹ کا حق دیا گیا۔(۸)

برصغیر میں اردو کے افسانوی ادب کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہاں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے پہلی شعوری اور توانا آواز ڈپٹی نذیر احمد کی سنائی دیتی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں؛ مراۃ العروس، بنات النعش، ایامیٰ میں بطورِ خاص عورت اور اس کی حالت کی بہتری کو موضوع بنایا۔ اسی طرح الطاف حسین حالیؔ کی تخلیقات؛ چُپ کی داد، مناجاتِ بیوہ، مجالس النساء میں بھی عورتوں کے حقوق کی بات کی گئی ہے۔ ان دونوں لکھاریوں کا تعلق علی گڑھ تحریک سے ہے جو ہندوستان میں جدید علوم کی حامی تھی۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عورتوں کی بیداری و بہتری کی تحریک کے ڈانڈے یورپ میں شروع ہوئی تانیثیت سے ہی جڑے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں تانیثیت کی تحریک کے اگلے پڑاؤ میں ڈاکٹر رشید جہاں کی دبنگ شخصیت نمودار ہوتی ہے جس نے ہندوستانی ناری ہو کر بھی ڈنکے کی چوٹ پر یہاں کی عورت کے حقوق کی بات کی اور عورت کو مرد کے مساوی کھڑا کر دیا۔ رشید جہاں کی روایت عصمت چغتائی کے روپ میں آگے بڑھتی ہے اور 'ضدی'، 'ٹیڑھی لکیر' اور 'معصومہ' جیسی تخلیقات سامنے آتی ہیں جن میں لگی لپٹی رکھے بغیر عورت کی بات کی گئی ہے اور اسے ہر دباؤ سے آزاد کر کے پیش کیا گیا ہے۔

اردو ناول کی تانیثی تاریخ میں قرۃ العین حیدر بھی ایک اہم حوالہ ہے۔ان کے ناولوں 'سیتاہرن' اور 'آخرشب کے ہم سفر' میں ہندوستانی عورت کو سماجی، فکری اور سیاسی حوالوں سے متحرک بنا کے پیش کیا گیا ہے۔عدنان ظفر کے بقول:

> انیسویں صدی کی سہمی سمٹی عورت بیسویں صدی کے چوتھے عشرے تک اس قابل ہو چکی تھی کہ عصمت چغتائی اور قرۃ العین کے قالب میں ڈھل کر اپنے اظہار کے لیے الگ اور منفرد راستے منتخب کر سکے۔(۹)

تقسیم ہند کے بعد تقریباہر اردو ناول نگار کے ہاں تانیثیت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ جمیلہ ہاشمی بھی مذکورہ دور کی ایک اہم ناول نگار ہے۔ جمیلہ ہاشمی انگریزی ادب کے مطالعے سے گزر کر اردو تخلیقات کی طرف آئی ہیں اس لیے ان کے ناولوں میں تانیثیت کا پہلو کھلا، واضح اور نمایاں ہے۔ لیکن یہ نکتہ بھی توجہ کے قابل ہے کہ ان کی تانیثیت مغربی تانیثیت کا مشرقی روپ پیش کرتی ہے۔

جمیلہ ہاشمی (۱۹۲۹-۱۹۸۸ء) نے اردو ادب کو آٹھ ناول (اور ناولٹ) دیے: تلاشِ بہاراں، داغِ فراق، آتشِ رفتہ، روہی، چہرہ بہ چہرہ روبہ رو، لہور نگ، آہوئے آوارہ اور دشتِ سُوس۔ان کا پہلا ناول "تلاشِ بہاراں" ۱۹۶۱ء میں منظرِ عام پر آیا جس کو آدم جی ادبی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ان کے اس پہلے ناول کا بنیادی موضوع تانیثیت ہی ہے۔ ناول کا مرکزی کردار (کنول کماری ٹھاکر) ہی خاتون ہے جسے مصنفہ نے بڑی کاوش کے ساتھ حقوقِ نسواں کے مجسم نمائندے کے طور پر پیش کیا ہے۔

جمیلہ ہاشمی کے آٹھ ناولوں میں تین ناول خصوصی طور پر تانیثی پہلوؤں کی پیشکش کرتے ہیں: تلاشِ بہاراں، آتشِ رفتہ اور چہرہ بچسرہ رو برو۔ باقی ناولوں میں عورت کے کردار کو زیادہ تر روایت سے ملا کر پیش کیا گیا ہے۔ جمیلہ ہاشمی کے مذکورہ بالا تین ناول تانیثیت کے تین مختلف روپ پیش کرتے ہیں۔ 'تلاشِ بہاراں' کی کنول کماری ٹھاکر انگلستان سے انگریزی تعلیم حاصل کرنے والی خاتون ہے جو مغرب کے علم و فہم کے ساتھ ساتھ مشرقی اقدار کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔ 'آتشِ رفتہ' کی دادی کرتار کوران پڑھ دیہاتی کردار ہے جس میں مشرقی حیا، اقدار کی پاسداری، بہادری اور اٹوٹ حوصلہ مندی کو مجسم کر کے پیش کیا گیا ہے۔'چہرہ بچسرہ روبرو' میں مشرقی عورت کے علم و فن کی طرف رغبت اور ابلاغ و عمل کے حوصلے کا بیان کیا گیا ہے۔تینوں ناولوں میں تانیثی زاویے نمایاں ہیں لیکن ساتھ میں ان کے کردار مشرقی شرم و حیا سے بھی مزین ہیں۔

تانیثیت کے حوالے سے جمیلہ ہاشمی کا پہلا اور اہم ترین ناول ''تلاشِ بہاراں' ہے۔ ''تلاشِ بہاراں'' کا کردار کنول کماری ٹھاکرا گرچہ تھوڑا سا غیر انسانی محسوس ہوتا ہے کیوں کہ اس کا جذبات پر قابو مثالی ہے۔ کنول کماری کہیں بھی انسانی جبلتوں سے مجبور ہوتی نظر نہیں آتی۔ وہ اعلیٰ آدرش اور اعلیٰ نظریات کی حامل ایک پُر وقار اور با عمل خاتون ہے۔ وہ مرد سے نہ ڈرنے والی ہے نہ دبنے والی۔ وہ عصمت چغتائی کے کرداروں شانتااور شمن کی طرح سماج کی باغی نہیں، بلکہ سماج کی اعلیٰ اقدار کے موافق رہتے ہوئے عورت کے حقوق کی حفاظت کرنے اور کرانے پر کمربستہ ہے۔اس کے اخلاق اور کردار مرداساس معاشرے کے مردوں کو بھی متاثر کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ شبنم آرا کے الفاظ میں:

> اس ناول (تلاشِ بہاراں) کا موضوع ہندوستانی عورت کا مقدر قرار پاتا ہے۔ کنول کماری ٹھاکر ناول کا مرکزی کردار ہے جس کے ذریعے مصنفہ نے جدید عورت کا ایک آدرش روپ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔۔۔۔اگر عورتوں کے حقوق کو غصب نہ کیا جائے، انھیں مناسب آزادی اور مواقع فراہم کیے جائیں تو ایک آئیڈیل معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ایک ایسا آئیڈیل معاشرہ جس میں عورت بے بس و لاچار نہ ہو گی بلکہ عورت و مرد دونوں مل کر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی بہترین صلاحیت کا استعمال کر سکیں گے۔اسی نصب العین کے حصول کے لیے کنول کماری ٹھاکر کو آئیڈیل بنا کر پیش کیا گیا ہے۔(۱۰)

'تلاشِ بہاراں'' کی کنول کماری نہ مادر پدر آزاد ہے نہ تنگ نظر اور جنونی، بلکہ وہ ایک متوازن شخصیت کی مالک ہے جو اپنی تہذیب و ثقافت کا پاس رکھتے ہوئے تعلیم و تربیت کے ذریعے عورت کی بہتری کے لیے کام کرتی ہے۔ وہ مذہب کا پالن کرنے والی ہے، عقائد و عبادات کا انکار نہیں کرتی بلکہ ان سب چیزوں میں یقین رکھتی ہے۔ وہ مکمل ہندوستانی عورت کا روپ سروپ ہے جو عقل و دانش، ہمت و حوصلہ بھی رکھتی ہے ۔ جو سماج کی زیادتیوں کے خلاف سینہ تان کے کھڑی ہو سکتی ہے۔ جو عورت پر مرد کے خود ساختہ غلبہ کے خلاف بول بھی سکتی ہے اور کھڑی بھی ہو سکتی ہے۔ جو سماج میں مرد کے مقام کی مخالف نہیں، لیکن عورت کے عزت والے مرتبے پر بھی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔

> کنول مجھ سے کہتی تھی تم لوگ عورت کو اس لیے ہی کیوں دیکھتے ہو کہ وہ مرد کے لیے زندہ ہے۔اس کی اپنی الگ کوئی زندگی کیوں نہیں ہے۔اس کا اپنا ایک الگ وجود ہے۔ تم اس کو دیکھو گے تو بیٹی کی حیثیت سے ، بہن بنا کر ، بیوی اور ماں کی طرح۔ کیا عورت ان حالتوں کے علاوہ ایک عورت نہیں

ہے۔ اگر تم ایک مرد بن کر زندہ رہتے اور ترقی کرتے ہو تو کیا عورت بہن، بیوی، بیٹی کے رشتوں سے بلند ہو کر نہیں رہ سکتی۔ تم نے اپنی عقل کے جو پیمانے بنا لیے ہیں، انھیں عورت کی شرافت، اس کی عزت اور اس کی ہستی ناپنے کے لیے کیوں مقرر کرتے ہو؟(۱۱)

ذیل کے اقتباس میں اس کی ہمت اور حوصلہ مندی ملاحظہ کریں کہ جن حالات میں مرد کو بھی کسی حد تک خوف محسوس ہو رہا ہے، کنول کماری اس کی پرواہی نہیں کرتی:

میں نے ٹھہر ٹھہر کر اپنا مطلب بیان کیا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کنول کا رنگ زرد ہو جائے گا۔ وہ گھبرا جائے گی۔ اس کے حواس اڑ جائیں گے۔ کم از کم ہر دور میں مرد عورتوں سے یہی توقع رکھتے ہیں۔ نسائیت یہی ہے کہ خطرے کے ذکر پر عورتیں زرد ہو جائیں، گھبرا کر مدد کی درخواست کریں، اور پھر مرد اپنی مردانگی، اپنی برتری پر فخر محسوس کر کے سینہ پھلا کر چلے اور خدا کی بہترین مخلوق ہونے کا جو دعوی وہ صدیوں سے کرتا آیا ہے، اس پر اور زیادہ پختگی سے یقین کر لے۔ مگر کنول کی طمانیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی اور آخر میں کہنے لگی: "مجھے افسوس ہے آپ نے اتنی تکلیف کی۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں مگر۔۔۔۔۔ روبندر کمار اور اس کے باوا میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ آپ گھبرائیں نہیں اور پھر بھگوان میری حفاظت کرنے کو موجود ہیں۔ مجھے کوئی ڈر نہیں۔(۱۲)

ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

اس کے پاس عورت کی سب سے بڑی شکتی ہے۔ اس کے پاس نیکی ہے۔ اس کے بازوؤں میں طاقت ہے۔ وہ میرا کی طرح سندری کی طرح بے بس نہیں ہے۔ وہ مرد سے خائف نہیں، وہ آدمی کی ذات سے ڈرتی نہیں، اس کے لیے مرد صرف اس سطح پر زندہ ہے جس پر وہ خود ہے۔ وہ مرد کو اتنا حقیر نہیں سمجھتی کہ اس کی طرف متوجہ ہونے سے انکار کر دے۔ وہ مرد کو اتنا بلند نہیں سمجھتی کہ اس کے پاؤں میں جھکے۔۔۔۔ اس کے پاس سچائی اور گہرائی ہے۔ وہ ہماری ماں بہن بیٹی کی طرح قابل احترام ہے اور پھر بھی ان سب سے الگ ہے۔(۱۳)

عورت کی آزادی و خود مختاری، اس کی تعلیم اور روزگار کے حق کے حوالے سے بھی کنول کماری ایک مثالی تصور کی حامل ہے۔ وہ نہ صرف خود ان تمام عناصر پر عمل کرتی ہے بلکہ دیگر عورتوں کے لیے بھی تحریک چلا رہی ہے۔ وہ ہر عورت کے اندر کی بہادر عورت جگانے کی سعی میں لگی ہے۔ وہ کالج کی پرنسپل بن کے ہر بچی کے سینے میں اپنا دل رکھ رہی ہے۔ وہ سماج کے اندر عورت کے حوالے سے غلط تصورات اور رجحانات کو بدلنے میں لگی ہوئی ہے۔ اسے ناکامی کا خوف نہیں، اور نہ ہی اسے کامیابی کے احساس کا کوئی نشہ ہے۔ وہ بس کام کرتی ہے، بدلاؤ کا کام، اور بدلے میں اسے اندرونی اطمینان کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔ جمیلہ ہاشمی کا یہ کردار ہندوستانی تناظر میں تانیثیت کی زبردست نمائندگی کرتا ہے۔ اس کردار کی مؤثریت پر بحث کرتے ہوئے شبنم آرا لکھتی ہیں:

> مصنفہ نے "تلاشِ بہاراں" کے ذریعے گوناگوں موضوعات و مسائل مثلاً معاشرہ میں عورتوں کی حقارت بھری زندگی، بیواؤں کے مسائل، اونچ نیچ کی تفریق، سماجی و معاشرتی رسم و رواج کی سخت گیری وغیرہ جیسے مسائل کو زیرِ بحث لانے کی کوشش کی ہے اور عورت کو شعبہ ہائے زندگی میں سرگرم و فعال، مساوی حقوق کا خواہاں، استحصال سے ماورا حیثیت حاصل کرنے کے لیے بے پناہ Struggle کرتے ہوئے مرکزی کردار کنول کماری ٹھاکر کو پیش کیا۔ وہ عورتوں کے لیے مساوی حقوق کی خواہاں ہے۔ صدیوں پر مبنی مردانہ بالادستی کے خلاف آواز بلند کرتی ہے اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کرتی ہے۔ اس طرح یہ کردار تانیثیت کا علم بردار بن کر ناول کے منظرنامے پر ابھرتا ہے۔ (۱۴)

تانیثی اہمیت کے حوالے سے جمیلہ ہاشمی کا دوسرا ناول 'آتشِ رفتہ' ہے۔ یہ ناول کرتار کور کے کردار کے گرد بُنا گیا ہے۔ کرتار کور ایک دیہاتی خاتون ہے جس میں اپنے حقوق کے لیے ڈٹ جانے، مرد اساس معاشرے میں اپنی انا اور اقدار پر سمجھوتہ نہ کرنے اور اقدار سے گرے ہوئے مرد کرداروں کو شکستِ فاش دینے کی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کردار کے ذریعے ناول نگار نے واضح کیا ہے کہ تانیثیت کے لیے مغربیت، یا بڑی تعلیمی ڈگری کا ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ ایک فکر اور ایک حوصلے کا نام ہے جو کسی بھی فرد میں پائی جا سکتی ہے۔ کرتار کور سیدھی سادی دیہاتی خاتون ہے لیکن اس کی ہمت اور حوصلہ چٹان کی طرح مضبوط اور پہاڑوں سے ہے؛ جس نے جھکنا نہیں سیکھا، بلکہ آن پر جان دینا سیکھا ہے؛ جس کے سامنے چوپال میں بیٹھے اونچی اونچی پگڑیاں باندھنے والوں کے سر جھک جاتے ہیں؛ جس کا حوصلہ اتنا توانا ہے کہ جب تک کم ظرف

دشمن کا سر جھکا نہیں دیتی موت کا راستہ بھی روکے رکھتی ہے؛اور جب اس کی انا سر ہو جاتی ہے تو آرام سے آنکھیں موند لیتی ہے۔

> دادی یہ ساری باتیں سن کر آئی تو اس کے قدم زمین پر نہ پڑتے تھے۔مجھے کہنے لگی "دلدار سنگھ پوت بس میرا جو کام تھا وہ ختم ہو چکا۔مہر سنگھ سے بدلہ لے لیا گیا۔میری جان پر سے بوجھ اتر گیا ہے۔واہگرو تیری بڑی عمر کرے۔"
>
> اور جس دن دیپو کو مرے ساتواں دن تھا چپ چاپ دادی یوں مر گئی جیسے ہوا کا ایک جھونکا فصلوں میں کہیں سے آنکلے اور آن دیکھے ہی نکل جائے۔(۱۵)

دادی کرتار کور اپنے گاؤں کے سب سے بڑے سردار مہر سنگھ سے ٹکر لینے کا حوصلہ رکھتی ہے۔وہ اپنے بے وفا شوہر کے قتل کے بدلے میں اپنے اکلوتے بیٹے اُتم سنگھ کو پھانسی کے تختے پر پہنچانے والے مہر سنگھ کو کسی صورت معاف کرنے کو تیار نہیں۔وہ آن سے جینے کو ہی زندگی کہتی ہے نہیں تو ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔اکلوتے بیٹے کو پھانسی لگ جانے کے بعد اپنے اکلوتے پوتے کو بھی داؤ پر لگانے کو تیار ہے لیکن آن پر سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں۔پوتے سے کہے گئے اس کے الفاظ "پر تُو یہ سوچ خاندان کی آن بھی کوئی شے ہے۔دلدار سنگھ اگر سر اونچا کر کے لالڑاں کی گلیوں میں چل نہ سکا تو تیرے جینے کا کیا فائدہ اور اس کے جینے کا کیا فائدہ"(۱۶) اس کی ہمت کا ثبوت ہے۔چوپال میں بیٹھا ہوا گیانی جی بھی اس کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہتا ہے "سردار جی سب ٹھیک ہے پر اُتم سنگھ کی ماں سیدھی اور آن پر جان دینے والی بہادر عورت ہے۔اس میں رانیوں کی سی شان ہے۔اس سے آپ کو انکار نہیں کرنا چاہیے"۔(۱۷)

'آتشِ رفتہ" کی کرتار کور کا کردار ایک مثالی کردار ہے۔ایسے کردار مشرق کے دیہاتی علاقوں میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔دادی کرتار کور نے کسی یونیورسٹی سے ڈگری نہیں لی،لیکن اس نے اپنی سماجی اقدار کا پالن کیا جس کی اسے بہت بھاری قیمت چُکانی پڑی۔پھر بھی نہ اس کی آنکھوں سے آنسو گرے،نہ قدم ڈگمگائے،اور نہ ہی حوصلے متزلزل ہوئے۔اس نے اپنے دشمنوں کو نہ صرف پریشان بلکہ حیران بھی کیے رکھا۔ان کو بھی اس کے اٹوٹ حوصلے کی داد دینی پڑی۔

> چوپال کی بھیڑ بھاڑ میں بیٹھا سردار مہر سنگھ کہتا:"بلے بلے بھئی'عورت ہے پر مردوں سے بھی زیادہ حوصلے والی۔دھیان پور والے ہی ایسی شیرنی پیدا کر سکتے تھے۔ہمارے گھر کی سوانیاں تو چوہے سے

بھی ڈر جائیں۔ پردوں میں بیٹھنے والیاں جو ہوئیں۔ بھئی ہم سردارنی کرتار کور کا مقابلہ کر سکتے ہیں بھلا"۔(۱۸)

"چہرہ بچہرہ روبرو" جمیلہ ہاشمی کا تیسرا ناول ہے جس میں تانیثی رویے نمایاں ہو کے سامنے آئے ہیں۔اس ناول میں جمیلہ ہاشمی نے ایک حقیقی تاریخی کردار قرۃ العین طاہرہ کی زندگی کو پیش کیا ہے۔قرۃ العین طاہرہ جو اپنے گرد موجود جامد اور تنگ نظر سماج میں ہی رہتے ہوئے امِ سلمٰی سے قرۃ العین، پھر طاہرہ، پھر زریں تاج،اور بالآخر امُّ العالم کی حیثیت پر پہنچ جاتی ہے۔لیکن یہ سب آپ سے آپ نہیں ہوا، نہ ہی قسمت کی مہربانی سے ہوا، بلکہ اس کے پیچھے امِ سلمٰی کا ذہنِ سلیم اور جراتِ اظہار و عمل کارفرمارہا۔اگر وہ مردوں کی مخالفت سے ڈر کر یا ٹوٹ کر حوصلہ ہار جاتی تو نہ وہ علم کے حصول کے راستے پر آگے بڑھ سکتی، نہ اپنا حلقہ پیدا کر کے مردوں کو درس دینے اور زندگی کا راستہ دکھانے کے قابل ہوتی۔امِ سلمٰی ایک ایسے سماج میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہے جس کی جھلک ذیل کے اقتباس میں اس کے باپ کے الفاظ اور اس کے ردِ عمل میں دیکھی جاسکتی ہے:

> "جانِ پدر!"اس کے باپ نے کہا"تم فلسفے کی کتابوں میں کھوئی رہتی ہو۔یہ پریشاں خیالی ایسے ہی خواب پیدا کرتی ہے۔عورتوں کو امام غائب کے آنے اور ظہورِ آلِ محمد سے خبر نہیں دی جائے گی۔"یہ بات کہہ کر ملا صالح ہنسا۔
>
> امِ سلمٰی نے نہایت بے زاری سے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔"تمھیں میری یہ بات پسند نہیں "آئی۔اس کے باپ نے کہا"۔مگر سوچو تو سہی اگر کسی بشارت سے آگاہ کرنا ہو گا تو وہ خانقاہ میں بیٹھے کسی بزرگ کو کرے گا کسی لڑکی کو نہیں"۔(۱۹)

ذیل میں دیا گیا اقتباس بھی امِ سلمٰی کی جراتِ تعلیم و تنویر اور جراتِ عمل پر دلالت کرتا ہے:

> امِ سلمٰی اس کے نزدیک خود فریبی میں مبتلا تھی۔ایران کے دستور کے خلاف وہ باپ کے کتب خانے کا آزادانہ استعمال کرتی تھی اور اسے ایسی باتوں سے بھی آگاہی تھی جنھیں جاننا عورتوں کے لیے معیوب خیال کیا جاتا تھا۔وہ شعر کہتی اور رویا پر یقین رکھتی تھی۔وہ بلا کی نکتہ چین اور مغرور تھی۔اس کو حافظ کا کلام یاد تھا اور اسے سرود پر گا سکتی تھی۔۔۔اسے قصر نما گھر کی چاردیواری کے اندر رہنے کے باوجود جینے کے اور ڈھنگ بھی یاد تھے جو اس نے کتابوں سے سیکھے تھے۔(۲۰)

قرۃالعین طاہرہ تانیثیت کا ایک اہم استعارہ ہے۔اس کا علم وذکا، جرات و بہادری،اور راہِ حصولِ مقصد میں بے خوفی و بے پروائی عورتوں کی تاریخ ایک اہم حوالہ ہے۔اس کردار کو اردو ادب میں سمو کے جمیلہ ہاشمی نے مشرق کی عورت کا تیسرا روپ بیان کیا ہے جس کا مغربی علم و تہذیب سے کوئی واسطہ نہیں رہا، پھر بھی اس نے مرداساس معاشرے کی بنیادیں ہلا کرر کھ دیں اور عورت کی ترقی کی راہ میں اپنے خون سے چراغ روشن کیے۔

> کل تک قزوین میں وہ کچھ بھی تو نہیں تھی۔ ملا محمد کی عروس، کتب خانوں میں اپنا دل جلانے والی بے تاب روح،اور آج وہ اپنے خدا کے وجود کا ایک حصہ تھی۔(۲۱)

جمیلہ ہاشمی کے دیگر ناولوں میں بھی عورت کے کردار ہیں لیکن وہ سب روایتی ہیں۔'دشتِ سوس' کی شغب جو مادرِ خلیفہ ہے میں البتہ کسی حد تک عورت کا اقتدار تک پہنچ جانے والی بات نظر آتی ہے جو تھوڑی بہت تانیثیت کے مقصد سے لگا کھاتی ہے۔ باقی سارے کردار روایتی اور عام ہیں جو کہانی کو آگے بڑھانے کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور کسی خاص نسوانی نصب العین کے ابلاغ کی عکاسی نہیں کرتے۔

جمیلہ ہاشمی کے ناولوں کے تانیثی تجزیے سے جو نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

- جمیلہ ہاشمی تانیثیت کا مشرقی روپ پیش کرتی ہے۔اس کے تمام کردار جو اس مقصد سے وابستہ ہیں وہ مشرقی اقدار کے پابند ہیں۔
- جمیلہ ہاشمی نے تانیثیت کے تین نمائندے پیش کیے ہیں: ۱۔ مغربی تعلیم و تہذیب سے سیکھ کر عورتوں کے حقوق پر ڈٹ جانے والے، ۲۔ خالص مشرقی عورت جو بغیر پڑھے لکھے زندگی سے اعلیٰ سماجی اقدار اور آن سیکھتی ہے اور ان پر ہر صورت قائم رہتی ہے، ۳۔ خالص مشرقی عورت جو پڑھ لکھ کر آگہی حاصل کرتی ہے اور عورت کی کم تر حیثیت سے اٹھ کر قیادت پر پہنچ جاتی ہے۔
- جمیلہ ہاشمی تانیثیت کی پرچارک ہے لیکن اپنے اقدار سے محبت بھی کرتی ہے اور اس سے ہر صورت وابستہ بھی رہنا چاہتی ہے۔اسے تانیثیت کا مغربی روپ یہاں کے معاشرے کے لیے پسندیدہ محسوس نہیں ہوتا۔
- پیش کردہ مرکزی تانیثی کردار معاشرت پر اپنے اثرات بھی قائم کر رہے ہیں۔'تلاشِ بہاراں'' میں کرشنا، نیرا، شوبھا، بینا جیسی خواتین کے علاوہ متعدد مرد جیسے راوی، راجندر پرشاد، رادھے کرشن، ڈون وارٹن بھی کنول کماری کی سوچ و خیال کے اسیر ہو جاتے ہیں۔'آتشِ رفتہ' کی کرتار کور کے خیالات اس کی بہو اور بیٹے کے علاوہ اس کے

پوتے اور پوتی کو بھی اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں۔ "چہرہ بچہرہ روبرو" کی قرۃ العین طاہرہ تو ایک عالم کو اپنی فکر کا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ گویا ان کی سوچ اور عمل انفرادی نہیں ٹھہرتی بلکہ اجتماعی بن جاتی ہے اور دیے سے دیا جلنے کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

- جمیلہ ہاشمی نے زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے اور روحِ حیات کو سمجھ کے اپنا مضبوط و توانا پیغام اپنے مکمل و موثر کرداروں کے ذریعے اس طرح پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، غیر محسوس طور پر اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ پروفیسر صغیر افراہیم۔ 'تانیثیت اور اردو ادب' مشمولہ "تانیثیت اور اردو ادب-روایت، مسائل اور امکانات" مؤلفہ ڈاکٹر سیما صغیر۔ براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ ۲۰۱۸ء، ص ۱۶۹

۲۔ عتیق اللہ۔ 'تانیثیت—ایک سیاقی مطالعہ' مشمولہ "تانیثیت اور ادب" مرتبہ انور پاشا۔ عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۴ء۔ ص ص ۳۹-۳۸

۳۔ عدنان ظفر (مقدمہ) ۔"تانیثیت: تاریخ و تنقید" از مار گریٹ والٹر (مترجمہ عدنان ظفر)۔ سٹی بُک پوائنٹ، کراچی۔ ۲۰۲۲ء، ص ۱۸

۴۔ سیما صغیر۔ 'اردو ادب میں تانیثی شعور: ایک اجمالی جائزہ' مشمولہ "تانیثیت اور اردو ادب-روایت، مسائل اور امکانات" مؤلفہ ڈاکٹر سیما صغیر، براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ ۲۰۱۸ء، ص ص 15-16

۵۔ عتیق اللہ۔ 'تانیثیت—ایک سیاقی مطالعہ' مشمولہ "تانیثیت اور ادب" مرتبہ انور پاشا۔ عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۳۷

۶۔ عتیق اللہ۔ 'تانیثی جمالیات کا تعین' مشمولہ "تانیثیت اور ادب" مرتبہ انور پاشا۔ عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص ۵۱

۷۔ پروفیسر محمد ثناء اللہ صدیقی۔ 'تانیثیت اور اردو ادب پر گفتگو' مشمولہ "تانیثیت اور اردو ادب-روایت، مسائل اور امکانات" مؤلفہ ڈاکٹر سیما صغیر۔ براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ ۲۰۱۸ء، ص 195

۸۔ ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی۔ اردو ادب میں نسائی تنقید۔ سعید پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۳۹

۹۔ عدنان ظفر (مقدمہ) ۔"تانیثیت: تاریخ و تنقید" از مار گریٹ والٹر (مترجمہ عدنان ظفر)۔سٹی بُک پوائنٹ کراچی، ۲۰۲۲ء، ص ۲۵

۱۰۔ شبنم آرا۔ تانیثیت کے مباحث اور اردو ناول۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء، ص ۲۳۲

۱۱۔ جمیلہ ہاشمی۔ تلاشِ بہاراں۔ فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۱

۱۲۔ جمیلہ ہاشمی۔ تلاش بہاراں۔ ص ۱۷

۱۳۔ جمیلہ ہاشمی۔ تلاشِ بہاراں۔ ص ۲۴۵

۱۴۔ شبنم آرا۔ تانیثیت کے مباحث اور اردو ناول۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔ ۲۰۰۸ء، ص ۲۳۶

۱۵۔ جمیلہ ہاشمی۔ آتشِ رفتہ۔ داستان گو پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۸۸

۱۶۔ جمیلہ ہاشمی۔ آتشِ رفتہ ص ۲۵)

۱۷۔ جمیلہ ہاشمی۔ آتشِ رفتہ ص ۲۸

۱۸۔ جمیلہ ہاشمی۔ آتشِ رفتہ ص ۳۷

۱۹۔ جمیلہ ہاشمی۔ چہرہ بچہرہ روبرو۔ رائٹرز بک کلب، لاہور، س۔ن۔ ص ۲۲

۲۰۔ جمیلہ ہاشمی۔ چہرہ بچہرہ روبرو۔ ص ص ۲۶-۲۸

۲۱۔ جمیلہ ہاشمی۔ چہرہ ب چہرہ روبرو۔ ص ۸۵